

جذبہ

04-30-2017



فہرست

بچوں کی دنیا

۱. انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے!
۳. بہادر لڑکا
۴. سیدھا راستہ
۵. میرا بکرا
۶. میرے وطن کے پھولو ہمیشہ کھلتے رہو
۷. ننھا پانڈا

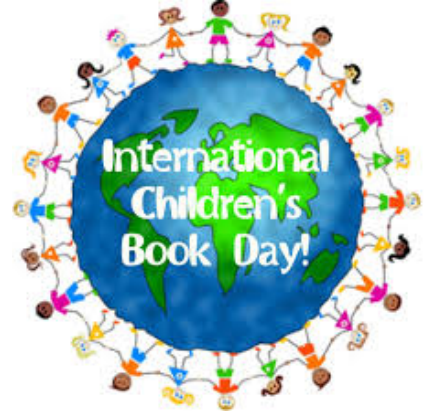
سائنس / ٹیکنالوجی

۸. فیس بک اور وہاٹس ایپ کا استعمال کتنا مفید، کتنا مضر؟

انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے!

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

مجھے نہیں معلوم کہ بچوں کی کتابوں کے عالمی دن کو ہمارے پاکستان میں دھوم دھام سے کیوں نہیں منایا جاتا، پاکستان میں بچوں کی کتابوں کا عالمی دن ہمیشہ خاموشی سے گزر جاتا ہے۔ ہم نے بہت سے دوستوں کو فون کیا جن کا تعلق سکول سے تھا کہ وہ اس دن بچوں کے لیے کتابوں کا سال لگائیں، لیکن تقریباً سبھی نے اسے فضول سمجھا اور بعض نے تو مذاق تک اڑایا۔ لیکن ایک بات سب میں مشترک تھی اس دن سے لاعلمی۔ ہمارے علم میں آیا اور ہم حیران ہوئے کہ پاکستان میں کبھی یہ دن منایا گیا ہو اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم نے علم و تحقیق کا دامن چھوڑ دیا، وہ پستی میں گر گئی۔ دوسری طرف ہم بہت سے مغربی دن بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، جن کی بے شک اسلام میں اجازت بھی نہ، معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہو مثلاً ویلنٹائن ڈے پر اس سال بہت خوب لکھا گیا پروگرام کیے گئے۔ مجال ہے جو بچوں کی کتابوں کے حوالے سے ایسے دھواں دار پروگرام ہوتے ہوں۔ ہم ایسے دن منانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں جن سے قوم کا بھلا ہوتا ہو۔

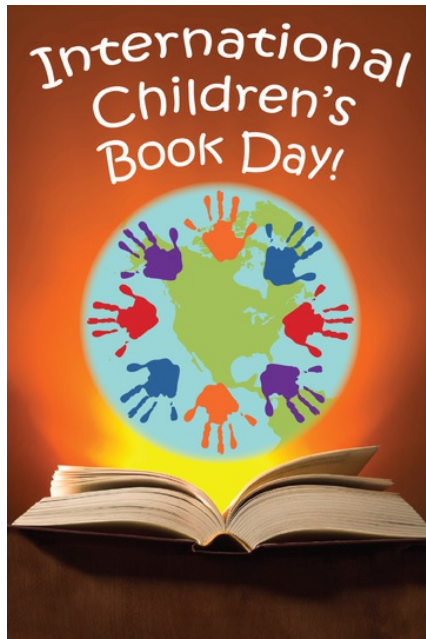


جس سے وہی کلچر پروان چڑھتا ہے۔ بد قسمتی دیکھیں ہم بچوں کے لیے (روشن مستقبل کے لیے) اب تک کوئی اصلاحی چینل شروع نہ کر سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اپنے مستقبل کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں اور ہمیں اپنے کلچر، ملک، اسلام، زبان سے کتنی محبت ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کا موازنہ ہمسایہ ملک سے کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا نیٹ ورک، میڈیا کھڑا کر دیا ہے کہ اس کی مثال دینا مشکل ہے۔ اب وہ اپنا کلچر، زبان، مذہب بذریعہ کارٹون، فلمیں ہمارے بچوں کو سکھا رہے ہیں۔

بچوں کی کتابوں کے عالمی دن کو منانے کا مقصد بچوں میں کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنا ہے۔ ان کی تعلیم

و تربیت کے لیے کتابوں کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اگرچہ آج ٹی وی انٹرنیٹ اور موبائل نے بچوں کے ذہنوں پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔

یہ تو ہم جب بچے تھے تب سے سن رہے ہیں کہ بچے قوم کی امانت ہیں، اور ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں، لیکن ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یعنی روشن مستقبل کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم نے بچوں کے لیے کیا بہت سا کتابوں کا سرمایہ جمع کر لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ماضی میں شائع ہونے والی بچوں کی کتابوں کو بھی دوبارہ شائع نہیں کیا۔ دکھ کی بات یہ بھی ہے کہ اب ہمارے بچے ہندی کارٹون، فلمیں وغیرہ دیکھتے ہیں۔



پاکستان میں بہت سے ماہنامہ، پندرہ روزہ، ہفت روزہ رسائل و میگزین بچوں کے لیے شائع ہوتے ہیں اسی طرح تقریباً ہر اخبار بھی ہفتے میں ایک دن بچوں کے لیے ایک صفحہ یا میگزین شائع کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تعداد اشاعت بھی قابل ذکر ہے۔ اکثر ایسے ہیں جن میں بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن بچوں کو زیادہ تر فرضی کہانیاں سنائی جاتی ہیں جن میں حقیقت کا عمل دخل بہت کم ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا بچوں کو تاریخ، اسلام، سائنس دانوں کی زندگی وغیرہ پر زیادہ مواد دیا جاتا۔ پاکستان میں بچوں کے لیے لکھی جانے والی کتب کی تعداد دشرم ناک حد تک کم ہے۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اچھے لکھاریوں کا کم ہونا۔ قاری کم ہیں۔ کتاب شائع کرنے کے لیے سرمایہ کا نہ ہونا۔ بچوں کے ادب کو اہمیت نہ دینا وغیرہ پاکستان میں بچوں کے لیے جو میگزین و رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

موجودہ دور میں بڑھتے نفسیاتی مسائل سے بچنے کے لیے آج

ماہرینِ نفسیات بچوں کے لیے مطالعہ کو لازمی قرار دے رہے ہیں۔ ہمارے بچے زیادہ تر ماحول سے بھرپور گیم دیکھ رہے ہیں یا کارٹون جن سے تشدد کو پسند کرنے لگتے ہیں اس لیے کتابوں کی طرف بچوں کو راغب کیا جانا ضروری ہے، گیم، کارٹون کی موجودگی میں بچوں کو مطالعہ کی طرف راغب کرنا کٹھن کام ہے۔ اس کا حل یہ بھی ہے کہ بچوں کے لیے ایک چینل ہو جس میں بچوں کو سچی کہانیاں، مزاحیہ کارٹون، ہمارے کلچر، زبان، مذہب کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے باوجود کتابوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اچھی کتابیں شعور کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بہت سے فضول مشغلوں سے بھی بچاتی ہیں۔ بچوں میں مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کرنے میں والدین اور اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لکھاریوں کو بھی اس بارے میں لکھنا چاہیے۔ جتنے بڑے لکھاری ہیں، ان میں سے اکثر پہلے بچوں کے لیے لکھتے رہے ہیں۔

مثلاً نظیر اکبر آبادی کواردو ادب کا اولین عوامی شاعر کہا جاتا ہے، جنہوں نے بچوں کے ادب پر بہت ساری اہم نظمیں لکھیں۔ ان کے علاوہ مولانا محمد حسین آزاد، امتیاز علی تاج، اسماعیل میرٹھی، حفیظ جالندھری، کرشن چندر، شوکت تھانوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، احمد ندیم قاسمی، ڈپٹی نظیر احمد، شبلی نعمانی، حجاب امتیاز علی، علامہ اقبال، حالی، عصمت چغتائی، قتیل شفائی، قصیر تمکین، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، انوار صدیقی، ڈاکٹر شکیل الرحمن، علی ناصر زیدی، غلام مصطفیٰ، صوفی تبسم، ماہر القادری، عبدالحمید نظامی، تنویر پھول، ڈاکٹر اسلم فرخی، اشتیاق احمد، نذیر انبالوی، ذکیہ بلگرامی، ناصر زیدی وغیرہ میں نے خود ایک عرصہ تک بچوں کے لیے لکھا ہے۔ اب بھی کبھی کبھار بچوں کے لیے کچھ ناپکھ لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہم نے اپنے والدین سے، دادا جی سے بچپن میں بہت سی کہانیاں سنیں وہ اب تک یاد ہیں، ہر کہانی کی ابتدا ایک تھا بادشاہ۔ سے ہوتی اور اختتام ان الفاظ پر۔۔ اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ آج بھی یہ الفاظ اپنے اندر محبت لیے میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ عصر حاضر میں بچوں کے ادب پر بہت کم لکھا جا رہا ہے دور حاضر میں کمپیوٹر ٹکنالوجی اور مختلف گیمز نے بچوں کو مشغول کر رکھا ہے ایسے میں والدین کا فرائض ہونا چاہئے کہ اپنی اولاد کو کتابوں سے روشناس کروائیں۔

آج والدین اپنے بچوں کو آئس کریم یا برگر کے لیے تو بخوشی پیسے دے دیتے ہیں لیکن وہ اپنے بچوں کو کتاب خرید کر بطور تحفہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اب نئے لکھاریوں میں سے بہت کم ہیں جو بچوں کے لیے لکھتے ہیں۔ دوسری طرف بچوں کے لیے لکھنے والے اب انتہائی بوڑھے ہو گئے ہیں، وہ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ اب ان کے لیے بچوں کے لیے لکھنا مشکل نہیں ہے۔ حالانکہ بچوں کے لیے لکھنا مشکل ترین کام ہے، بعض خود کو بڑا لکھاری سمجھنے والے بچوں کے لیے نہیں لکھتے

مطلب مشکل کام نہیں کرتے اور اس لیے بھی کہ بچوں کے لیے لکھنا ان کی نظر میں اہم نہیں ہے۔ جہاں تک بچوں کے ادب کا، کتابوں کا تعلق ہے تو حالت تشویشناک ہے۔

بچوں کی کتابوں کا عالمی دن بہت سے ممالک میں منایا جاتا ہے۔ یہ دن سب سے پہلے IBBY کی طرف سے تجویز کیا گیا۔ اور 2 اپریل کو انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے (ICBD) بچوں کی کتابوں کا عالمی دن غالباً 1967ء کو پہلی مرتبہ منایا گیا۔ اس دن دنیا میں بچوں کی کتابوں کے سال لگائے جاتے ہیں، بچوں کا ادب لکھنے والوں کو سراہا جاتا ہے، ایوارڈ وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان میں ایسا کچھ نہیں کیا جاتا۔ اس بارے میں ہماری والدین، اساتذہ، صحافیوں، لایبوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کریں۔ تاکہ ہم اپنے ملک و قوم کے مستقبل کی بہتر پرورش کر سکیں۔ گذشتہ سالوں کی نسبت پاکستان میں بچوں کے لیے کتب کی اشاعت اور خریداری میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ گذشتہ سال ایک طرف یہ بحث جاری تھی کہ پاکستان میں کتب بنی کا شوق ماند پڑتا جا رہا ہے اور ہر فورم پر اس پر مذاکرے دیکھنے میں آتے تھے وہاں خصوصاً بچوں کے لیے کتب کی اشاعت خوش آئندہ بات ہے۔

پاکستان میں ہونے والے کتب میلوں، کانفرنسوں جیسا کہ اردو کانفرنس، انجرا کانفرنس، کاروان ادب کانفرنس وغیرہ کے انعقاد نے لوگوں کو کتب بنی کی جانب راغب کیا۔ ان کتب میلوں میں لوگ فیملی ممبران کے ساتھ جوق در جوق شرکت کر رہے ہیں، یہ ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے۔ ہمارے اشاعتی اداروں کو اب ایک بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ وہ معیاری کتب کے ساتھ ساتھ سستی کتابوں کو شائع کریں، اگر ایسا نہ ہوا تو ہماری نسل مایوس ہو کر دوبارہ گلوبل ویلج کی چکا چوند میں کہیں گم ہو جائے گی اور اسے ڈھونڈنا مشکل ہو گا۔

§§§

بہادر لڑکا

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

تو وہ اسے روکیں۔ لیکن قاضی اور بادشاہ نے بھی میرے ساتھ انصاف نہ کیا اب میرا آخری سہارا خدا کی ذات تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ جلاوطنی تلوار لے کر میرے سر پہ پہنچ گیا اور خدا کا انصاف بھی ظاہر نہیں ہو رہا۔ بس یہ بات سوچ کر مجھے ہنسی آگئی۔

لڑکے کی یہ بات سنی تو بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے حکم دیا کہ لڑکے کو چھوڑ دو۔ ہم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ ہماری جان بچانے کے لیے ایک بے گناہ کی جان لی جائے۔

لڑکے کو اسی وقت چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ نے بہت محبت سے اسے اپنی گود میں بٹھا کر پیار کیا۔ اور قیمتی تحفے دے کر رخصت کیا۔ کہتے ہیں۔ اسی وقت سے بادشاہ کی بیماری گھٹنی شروع ہو گئی اور چند دن میں ہی وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

میں نے دیکھا کہ بر لب دریائے نیل اک فیل ہاں اپنی دھن میں زیر لب کرتا تھا کچھ ایسا بیاں غور کر ہاتھی کے پیروں میں جو ہو گا تیرا حال ہو گی تیرے پاؤں میں بس یونہی مور ناتواں

وضاحت: اس حکایت میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے یہ کلتہ بیان کیا ہے۔ کہ جان خواہ بادشاہ کی ہو یا غریب کی، قدر و قیمت میں دونوں برابر ہیں۔ نیز یہ کہ خود غرض بن کر دوسروں کی جانیں پامال کرنے والے دنیاوی لحاظ سے بھی اتنے فائدے میں رہتے جس قدر نفع میں خلق خدا پر رحم کرنے والے رہتے ہیں۔



بیان کیا جاتا ہے۔ ایک بادشاہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا کافی دن علاج کرنے کے باوجود جب اسے آرام نہ آیا تو طبیعوں نے صلاح مشورہ کر کے کہا کہ اس بیماری کا علاج صرف انسان کے پتے سے کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی ایسے انسان کے پتے سے جس میں یہ یہ خاص نشانیاں ہوں۔ یہ کہہ کر حکیموں نے وہ نشانیاں بتائیں اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ شاہی پیالے سارے ملک میں پھر کر تلاش کریں اور جس شخص میں یہ نشانیاں ہوں اسے لے آئیں۔ پیالوں نے فوراً تلاش شروع کر دی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ وہ ساری نشانیاں ایک غریب کسان کے بیٹے میں مل گئیں۔ پیالوں نے کسان کو ساری بات بتائی کہ بادشاہ کے علاج کے لیے تیرے بیٹے کے پتے کی ضرورت ہے۔ اسے ہمارے ساتھ بھیج دے اور اس کے بدلے جتنا چاہے روپیہ لے لے کسان بہت غریب تھا۔ ڈھیر سارا روپیہ ملنے کی بات سن کر وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ سپاہی اس کے بیٹے کو لے جائیں۔ چنانچہ وہ اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔

خاص نشانوں والا لڑکا مل گیا تو اب قاضی سے پوچھا گیا کہ اسے قتل کر کے اس کے جسم سے پتا نکالنا جائز ہو گا یا نہیں! قاضی صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ بادشاہ کی جان بچانے کے لیے ایک جان کو قربان کر دینا جائز ہے۔



قاضی کے فتوے کے بعد لڑکے کو جلاوطنی کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ اسے قتل کر کے اس کا پتا نکال لے لڑکا بالکل بے بس تھا۔ وہ اپنے قتل کی تیاریاں دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ لیکن جب جلاوطنی تلوار لے کر اس کے سر پہ کھڑا ہو گیا تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

بادشاہ خود اس جگہ موجود تھا۔ اس نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ جلاوطنی کے ہاتھ میں تنگی تلوار دیکھ کر تو بڑے بڑے بہادر خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔ اس نے جلاوطنی کو رکنے کا اشارہ کر کے لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا لڑکے۔ یہ تو بتا، اس وقت مسکرانے کا کون سا موقع تھا؟

لڑکے نے فوراً جواب دیا، حضور والا دنیا میں انسان کا سب سے بڑا سہارا اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میرے ماں باپ نے روپے کے لالچ میں مجھے حضور کے سپرد کر دیا۔ ماں باپ کے بعد دوسرا سہارا انصاف کرنے والا قاضی اور بادشاہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی ظالم کسی کو ستائے

سیدھا راستہ

مصنف: اسد احمد

کی کہ میرا بہتر علاج ہو سکے مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا میرے والد صدے سے بیمار رہنے لگے اور ذہنی مریض ہو گئے والد کی جمع پونجی سب ختم ہو گئی اور ایک دن والد بھی مجھے چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ میں آج بھی پچھتاہوں ہوں کاش اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرتا، بیٹا دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔

(۱) انسان جتنی زیادہ بلندی سے نیچے گرتا ہے چوٹ اتنی ہی زیادہ گہری آتی ہے۔

(۲) کچھ لوگ راستے میں پڑے ہوئے پتھروں کی طرح ہوتے ہیں جو ہماری زندگی میں آتے ہیں جنہیں ہم بروقت پہچان کر ٹھوکر سے نہ بچ سکیں تو ہمیں بہت گہری چوٹیں لگ سکتی ہیں جو ہماری ساری زندگی تباہ و برباد کر سکتی ہیں، اور ہماری زندگی میں کچھ ٹریفک کے اشاروں کی طرح بھی ملتے ہیں جو ہمیں راستہ بتاتے ہیں مگر والدین ہمارے لیے ایک چراغ کی مانند ہوتے ہیں جو ہر سیدھا راستہ کی طرف روشنی دیکھاتے ہیں بس ہمیں اگر زندگی کا سفر آسانی سے طے کرنا ہے تو اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ بزرگ کی باتیں سن کر فیضان بہت پشیمان ہوا اور فیضان کو احساس ہوا کہ جانے انجانے میں وہ بہت بڑی غلطی کرنے جا رہا تھا فیضان کے لیے بزرگ فرشتہ بن کر آیا تھا جس سے فیضان کو ایک پل میں پوری زندگی بہتر بنانے کا سبق ملا تھا، فیضان کے دل پر بزرگ کی باتوں کا بہت اثر ہوا فیضان نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور فوراً گھر جا کر اپنے والدین سے معافی مانگی اور آئندہ کبھی خد نہ کرنے اور دل لگا کر پڑھائی کرنے کا وعدہ کیا فیضان کے والدین بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا، فیضان نے خود سے عہد کیا کہ وہ خود بھی پڑھے گا اور وکی کو بھی سیدھے راستے پر لانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، فیضان کی محنت رنگ لائی آٹھویں کلاس میں فیضان نے فرسٹ اور وکی نے دوسری پوزیشن حاصل کی دونوں دوست بہت خوش ہوئے سب اساتذہ نے فیضان اور وکی کو شاباش دی۔ ختم شدہ

فیضان کے بہت اچھے دوست آصف کو ہو گئی اور آصف نے فیضان کو ساری بات سے آگاہ کیا فیضان ساری بات سن کر حیران پریشان اور کنکشن کے عالم میں اسکول سے چھٹی کے وقت گھر جا رہا تھا کہ فیضان کی سائیکل راستے میں ایک پتھر سے ٹکرا گئی پاس ہی ایک بزرگ جو کہ بھیجک مانگ رہا تھا اس نے فیضان کو زمین سے اٹھنے میں مدد دی، اور ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر فیضان سے بزرگ نے پوچھا بیٹا کیسے گر گئے؟ فیضان کو معمولی خراش آئی تھی فیضان بڑبڑانے لگا اگر والدین میری بات مان لیتے موٹر سائیکل لے دیتے تو میں پرانی سائیکل سے نہ گرتا،



بزرگ نے کہا شکر ادا کرو کہ! یہ سائیکل کی وجہ سے معمولی چوٹ آئی ہے موٹر سائیکل کی چوٹ بہت بری ہوتی ہے یہ دیکھو بیٹا میرا ایک بازو موٹر سائیکل سے گرنے سے ہی ضائع ہوا تھا فیضان نے جب بزرگ کا ایک بازو دکھا ہوا دیکھا تو بہت خوف زدہ ہوا اور بزرگ سے پوچھنے لگا یہ کب اور کیسے ہوا بابا جی؟ بزرگ نے بتایا: بیٹا میں تمہاری عمر کا تھا اور یہ میری اپنی ضد اور نافرمانی کی وجہ سے ہوا، ورنہ شاید آج میں بھکاری نہیں ہوتا پڑھا لکھا افسر ہوتا میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا میرے والد مجھے اپنی طرح افسر بنانا چاہتے تھے مگر میں نے بری صحبت میں پڑ کر والدین کی محبت کو فراموش کر دیا تھا ان کے خلوص سے دیے ہوئے سائیکل کو ٹھکرا کر موٹر سائیکل کی ضد تو پوری کروا لی تھی مگر اس کا نتیجہ اب تک بھگت رہا ہوں میری موٹر سائیکل کے آگے پتھر ہی آیا تھا جسے میں دیکھ نہیں سکا تھا اور بری طرح سڑک پر جا گرا تھا میرے بازو کو ایک تیز رفتار گاڑی پکل گئی تھی میری ماں میرے ایکسیڈنٹ کی خبر برداشت نہ کر سکی اور اللہ کو پیاری ہو گئی میرے والد میری دیکھ بھال کی وجہ سے افس نہیں جاسکتے تھے میرے والد نے ہر ممکن کوشش

فیضان بہت بڑا بچہ تھا اپنے امی ابو کا راج ڈلار تھا فیضان کے ابو محنت مزدوری کر کے فیضان کو تعلیم دلوا رہے تھے فیضان کی امی بھی فیضان کا بہت خیال رکھتی تھیں، غربت کے باوجود والدین فیضان کی ہر خوشی کا خیال رکھتے تھے، اچھا کھانا پینا تعلیم اچھا لباس کھیل کود سیر و تفریح غرض یہ کہ فیضان کو ہر چیز ناممکن نہ مہیا ہوتی تھی بعض دفعہ تو والدین خود بھوکے سو جاتے مگر فیضان کو کسی قسم کی تنگی نہیں آنے دیتے تھے فیضان پچیس کلاس میں ہوا تو فیضان کی امی نے فیضان کی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی شادی کی واحد نشانی سونے کی انگوٹھی بیچ کر فیضان کو سائیکل لے دی فیضان بہت خوش ہوا کہ اسے سائیکل مل گئی ہے اب فیضان کو پیدل اسکول نہیں جانا پڑتا تھا، فیضان پڑھائی میں بہت اچھا تھا ہمیشہ فرسٹ پوزیشن لیتا تھا سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، جب فیضان آٹھویں کلاس میں ہوا تو ایک امیر باپ کے ضدی بیٹے وکی سے فیضان کی دوستی ہو گئی وکی بہت ضدی اور پڑھائی میں کمزور تھا وکی اپنی موٹر سائیکل پر سکول آتا تھا اور فیضان کی پرانی سائیکل دیکھ کر بہت ہنستا تھا اور فیضان کا مذاق اڑاتا تھا، اساتذہ فیضان سے بہت خوش تھے اور وکی ہمیشہ اساتذہ سے ڈانٹ کھاتا تھا وکی فیضان کو اکثر الٹی سیدھی باتیں کر کے آسانے لگا ایک دن وکی نے فیضان سے کہا تم بھی موٹر سائیکل لے لو پرانی سائیکل کی جان چھوڑ دو، پہلے تو فیضان نے وکی کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا مگر وکی نے بھی ٹھان رکھی تھی کہ فیضان کو پڑھائی میں خود سے آگے نہیں جانے دے گا، اور اپنی طرح کمزور کرے گا تاکہ اساتذہ فیضان کی قدر نہ کریں۔

آخر کار وکی اپنے ارادے میں کامیاب ہونے لگا، فیضان ہر روز والدین سے موٹر سائیکل کی خد کرنے لگا فیضان کے والدین کے پاس اتنے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے فیضان کے والدین پریشان رہنے لگے تھے، فیضان کے سالانہ امتحان نزدیک تھے اور فیضان نے اپنی ضد میں پڑھائی پر توجہ بھی کم کر رکھی تھی، والدین نے فیضان کو بہت سمجھایا کہ پڑھ لکھ کر جب بڑے آدمی بنو گے تو ہر چیز تمہیں آسانی سے مل سکے گی یہ وقت بہت قیمتی ہے اسے ہاتھ سے مت گنواؤ مگر فیضان وکی کی وہی باتیں دہراتا کہ آپ مجھے پیار نہیں کرتے ورنہ مجھے وکی کے ابو کی طرح ہر قیمتی چیز لے کر دیتے، وکی ٹھیک کہتا ہے آپ مجھے اپنی خاطر پڑھا رہے ہیں تاکہ میں بڑھاپے میں آپ کو پیسے کما کے لا کر دیا کروں فیضان کے والدین جب ہر طرح سے فیضان کو سمجھا کر تھک گئے تو انھوں نے اپنے چھوٹے سے گھر کا آدھا حصہ بیچ کر فیضان کی ضد پوری کرنے کا فیصلہ کر لیا وکی کے سارے ارادوں کی خبر

میرا بکرا

مصنف: اسد احمد

گھر قریب آگیا ہے بکرے کے تئیر کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ جیسے ہی ہم نے اپنی گلی کا ٹرن کاٹنا پتہ نہیں کیسے بکرے میاں نے ایک اڑان بھری اور رکشے سے باہر۔ ہم ابھی صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے کہ ابا جان کی آواز کان میں پڑی۔ پھپھے بھاگو شہیر۔ بکرا تو گیا۔ بس آؤ دیکھا نہ تاؤ ہم بھی اس کے پھپھے بھاگے۔ اچانک بکرے نے بریکیں لگائیں اور پلٹ کر ہماری طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا اور اپنے پاؤں کے کھر زمین پر مارنے لگا ہم نے سکینڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی نیت جان لی اور پلٹ کر بھاگے اب صورتحال یہ تھی کہ ہم آگے تھے اور بکرا اپنی بڑی بڑی سیٹگوں کا رخ ہماری طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ ہماری سانس بھاگ بھاگ کر نہ اندر تھی نہ باہر آخر ایک گھر کا دروازہ ہمیں کھلا دکھا اور ہم لپک کر اندر گھس گئے خیر سے وہ ہمارا ہی گھر تھا۔ کچھ پتہ نہیں کہ ابا جان نے بکرے کو کیسے قابو کیا بس اس وقت تو ہم سب بھول بیٹھے تھے۔ دوسرے دن کچھ ہوش ٹھکانے آ تو باہر آکر بکرے کو دیکھا جسے تین رسیوں سے باندھا گیا تھا اور وہ کھانا کھانے والوں کو بھی قریب نہیں آنے دے رہا تھا۔ مورل آف اسٹوری یہ ہے کہ ہمیشہ بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے کیونکہ ان کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے۔ بے جا ضد کا انجام یہی ہوتا ہے۔ حرما رضوان

§§§

بقرب عید کی آمد آمد تھی اور ہر جگہ قربانی کے جانوروں کی منڈیاں سج گئی تھیں۔ جب سے برابر والے مرزا صاحب اپنا بکرا لے آتے تھے ہم نے تو ابا جان کی جان کھالی تھی کہ بس اب بہت دیر ہوگئی چلیں بکرا منڈی۔۔۔ سب لوگ جانور لے آ رہے ہیں۔ میں اپنی پسند کا بکرا لوٹا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ابا جان کب سے نال رہے تھے مگر آج ہمارے آنسوؤں نے انہیں بھی موم کر دیا اچھا چلو تم بہت ضدی ہو گے ہو۔ چاچا کے ساتھ چلتے وہ ایک دو دن میں جائیں گے مگر میری رٹ کے آگے مجبور ہوگا۔ اور ان کی ہاں سنتے ہی ہم لگے منڈی جانے کی تیاری کرنے۔ برابر والے مرزا صاحب سے مول تول کی بابت دریافت کیا تو ہوش ہی اڑ گئے مگر چہرے سے بالکل ظاہر نہیں ہونے دیا کہ پیسے بچٹ سے باہر ہیں۔ خیر ابا جان کی موٹر سائیکل پر بیٹھے اور ہوا کی طرح منزل یعنی منڈی کی طرف روانہ ہو۔ واہ منڈی کیا تھی قربانی کے جانوروں کا ایک سمندر تھا تا حد نگاہ تک۔ ہم نے ایک سمت سے اپنا گھر نایاب ڈھونڈنا شروع کیا۔ ابا جان ہر بکرے کی شان میں قصیدے پڑھ رہے تھے مگر ہمیں جس ہیرے کی تلاش تھی وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ خیر ہم نے بھی ہمت نہیں ہاری ایک جگہ وہ ہمیں نظر آ ہی گیا۔ سفید رنگت، لمبے گھوٹے ہوئے سینگ، سرگیں آنکھیں، چہرے پر بلا کی نخوت۔



جیسے اپنی اہمیت سے واقف ہو۔ ابا جان یہی ہے یہی ہے ہم خوشی سے دیوانے ہو گے۔ بھاؤ تاؤ کے لمبے اور تکلیف دہ دورانیہ کے بعد بکرے کی رسی ہمارے ہاتھ آئی۔ ابا جان مستقل بڑبڑا رہے تھے کہ سونے کے سینگ لگے ہیں جو اتنا مہنگا دیا ہے بس ہماری ضد سے مجبور ہوگا۔ اب اگلا مرحلہ اس بکرے کو گھر لے کر جانے کا تھا۔ ابا جان نے مجھے اور بکرے کو دو لوگوں کی مدد سے رکشہ پر سوار کرایا۔ اور خود اسکوٹر پر پھپھے بھاگے ہوئے۔ غنڈی ہوا کا اثر تھا کہ بکرے صاحب نے کچھ بلنا جلنا شروع کر دیا اور تھوڑا رسی گھسیٹنے لگے ہم نے رکشے والے کو کہا بھیڑا زرا تیز چلاؤ

والدین کی محنت کا احساس کرو گے جب آپ انکے خون پسینے کی کمائی کا احترام کرو گے اور جب آپ کسی امتحان میں ٹاپ کرتے ہو تو آپ کے والدین پھولے نہیں ساتے اور انکی خوشی کی انتہا نہیں۔ رہتی پیارے بچوں آپ ہی پاکستان کا مستقبل ہو آپ نے ہی آگے چل کر پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنی ہے آپ نے ہی صدر بننا ہے آپ نے ہی وزیر اعظم بننا ہے آپ نے ہی سب کچھ سنبھالنا ہے خدا کیلئے والدین کے اعتماد کو مت توڑا کرو جو تمہاری خوشیوں پر اپنی خوشیاں قربان کر دیتے ہیں مگر تمہیں افسردہ نہیں دیکھ سکتے پیارے بچوں ہمارا وطن بہت دکھ دیکھ چکا اب آپ سب نے ملکر اسکی تعمیر کرنی اور یہ تعمیر قاید کے فرمان کام اور بس کام سے ممکن۔



بے اور تین ہستیوں کو راضی کرنے سے ممکن ہے اور تین ہستیوں کو خوش کرے سے ممکن ہے اور وہ تین ہستیاں ہیں ماں باپ اور استاد پیارے بچوں محنت کرو سوشل میڈیا سے دور رہو جب تک تعلیم مکمل نہیں کر لیتے غلط لوگوں سے دور رہو اور غلط عادات سے دور رہو اور آپکی زندگی کا مقصد صرف اور صرف تعلیم ہونی چاہیے اور جب تعلیم مکمل کر لوں تو آپکے حقوق ختم اب آپ کے فرائض شروع اور والدین کے حقوق کا آغاز اور اب دیکھنا یہ کہ اپنے والدین کا قرض کس طرح اتارتے ہو یہ زندگی ایک پراسس کا نام ہے۔ کبھی حقوق تو کبھی فرائض اور یہ سب تعلیم سے ممکن ہے پیارے بچوں اللہ پاک آپ سب کو اپنی امان میں رکھے اور آپ سب کو زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے اور والدین کا اساتذہ کا ادب کرنے کی توفیق دے آمین



میرے وطن کے پھولو ہمیشہ کھلتے رہو

مصنف: سفیان خان

بچے من کے سچے ہوتے ہیں بچے کسی بھی گھر کی رونق ہوتے ہیں بچے ماں کے دل کا گلزار اور باپ کے جگر کا گلزار ہوتے ہیں بچے ہی تو کسی بھی ریاست کا مستقبل ہوتے ہیں۔ بچے ہی گھر کی خوشی ہوتے ہیں پیارے بچوں آپ کو کتنے لاڈ و پیار سے پالا جاتا ہے آپ کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے آپ کے دکھ سکھ کا خیال رکھا جاتا ہے اور کس طرح آپ کو صبح آپکی ماں آپ کو تیار کر کے سکول بھیجتی ہے



اور کس آپکا باپ آپکی تمام ضروریات پوری کرنے کیلئے دنیا میں۔ مسائل سے لڑ جاتا ہے ہر ماں اور باپ چاہتا ہے کہ اسکے بچے پوری دنیا سے اوپر ہوں اور آپکے تمام حقوق آپ کو دیے جاتے ہیں اور پاکستان آپکے مفت تعلیم اور صحت کی سہولتیں مہیا کرتا ہے سب کے والدین امیر اور جاگیردار نہیں ہوتے سب کے والدین تاجر اور صنعت کار نہیں ہوتے کسی کا باپ مزدور یوتا ہے تو کسی کا باپ مسزگی کسی کا باپ کا شکار ہوتا ہے تو کسی کا باپ ڈراپور کسی کا باپ سارا دن پھیری کا کام کرتا ہے تو کسی کا باپ درزی اور کسی کی ماں گھروں میں کام کرتی ہے تو کسی کی کام مزدوری پر کپڑے سیتی ہے مگر پیارے بچوں آپکو ہر سہولت میسر ہوتی ہے اور افسوس اس وقت والدین کو لگتا ہے ریاست کو لگتا ہے جب آپ کسی بھی امتحان میں فیل ہو جاتے ہو اور آپکا فیل ہونا والدین کی خوشیوں کا قتل ہو تاہے اور والدین اس وقت ٹوٹ جاتے ہیں جب آپ کسی غلط صحبت میں چلے جاتے ہو اور چرس سگریٹ اور دوسری غلط عادات کو اپنا لیتے ہو اور والدین کے خوابوں کو چکنا چور کر دیتے ہو اور انکی محنت کو برباد کر دیتے ہو اور ان کو جیتے جی مار دیتے ہو جنھوں نے آپ کو ہر سہولت دی اور اپنے انکی محنت پر پانی پھیر دیا پیارے بچوں کامیابی اس وقت ملتی ہے جب آپ اپنے

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ فیل ہو گیا ہے۔ سارے دوسری جماعت کے بچے ہنس رہے تھے، اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

پنکو اپنی امی کے گلے لگ کے بہت رویا لیکن اس کے ابو بالکل خاموش بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر ابو نے پوچھا، ”سچ بتاؤ! تم نے امتحان سبق یاد کر کے دیا تھا یا نقل کی تھی؟“ پنکو کو ابو سے بہت ڈر لگ رہا تھا کیونکہ وہ شدید غصے میں تھے۔ جب ابو نے دوبارہ سخت لہجے میں پوچھا تو پنکو نے روتے ہوئے بتایا کہ، ”میں نے نقل کی تھی کیونکہ مجھ سے یاد نہیں ہو رہا تھا۔“

تب ابو نے بتایا کہ پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر ٹیڈی سے ان کی پرانی دوستی ہے اور انہوں نے کہا کہ جب پنکو پرچہ حل کر رہا ہو تو چپکے چپکے خاموشی سے اس پر نظر رکھیں کہ وہ پرچہ کیسے حل کر رہا ہے۔ تو جب وہ نقل کر رہا ہوتا تو سر ٹیڈی اور سر ایلی کو پتہ چل جاتا تھا لیکن وہ جان بوجھ کر اس کو پکڑتے نہیں تھے بلکہ ابو کو بتا دیا کرتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اسے فیل کیا تا کہ اس کو سزا دے سکیں اور اب اس کی سزا یہ تھی کہ وہ دوسری جماعت دوبارہ پڑھے گا۔

اس کے سب دوست تیسری جماعت میں چلے جائیں گے پورے جنگل میں اس کی بدنامی ہوگی۔ اب نہ اس کی سالگرہ پر شہد لگا بلااموں کا کیک آئے گا اور نہ ٹرائی سائیکل آئے گی۔

یہ سن کر پنکو کو بہت دکھ اور شرمندگی ہوئی اور اس نے امی، ابو اور سر سے وعدہ کیا کہ وہ اب بہت محنت سے پڑھے گا تا کہ ایمانداری سے اول پوزیشن حاصل کر کے اگلے سال تیسری جماعت میں جائے۔

اب ابو، امی، پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر سر ٹیڈی اس سے بہت خوش تھے۔



ننھا پانڈا

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

ننھا پانڈا پنکو آج کل بہت خوش تھا کیونکہ اس کی امی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ سالانہ امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کرے گا تو وہ اس کی سالگرہ پر اس کا پسندیدہ شہد لگا بلااموں کا کیک منگوائیں گی اور ابو اسے ٹرائی سائیکل دلانیں گے۔ پنکو خوش تو تھا لیکن ساتھ ساتھ تھوڑا پریشان بھی تھا کیونکہ اس کا پڑھائی میں کچھ خاص دل نہیں لگتا تھا اسے تو صرف باہر جنگل میں دوستوں کے ساتھ کھیلنا اور شہد اور کیلے کھانا بہت پسند تھا۔ اب ظاہر ہے اول پوزیشن حاصل کرنے کے لئے تو بہت سارا پڑھنا پڑتا خاص طور پر سبق یاد کرنا تو دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا۔ رات بھر پنکو جاگتا رہا اور یہ ہی سوچتا رہا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ پڑھنا بھی نہ پڑے اور اول پوزیشن بھی آجائے۔

آخر کار صبح تک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی گئی۔ اب پنکو بہت مطمئن تھا، صبح وہ خوشی خوشی ”جنگل ماڈل اسکول“ جانے کے لئے تیار ہوا۔ آج انگلش کا پرچہ تھا، پنکو اپنی کلاس میں جا کے بیٹھ گیا۔

جوں جوں پرچہ شروع ہونے کی گھنٹی بجی۔ انگلش کے سر ٹیڈی (بھالو) نے پرچے اور کاپیاں تقسیم کیں، پنکو نے چپکے سے اپنے موزے میں سے ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا اور کاپی کے نیچے چھپا کر نقل کرنا شروع کردی۔ ٹیڈی سر بھی حیران تھے کہ پنکو بڑی خاموشی سے پرچہ حل کر رہا ہے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ پنکو کو پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔



جب سر رائنڈ لیتے پنکو لکھنا روک دیتا۔ سر کے جاتے ہی پھر شروع کردیتا، اسی طرح چھوٹے چھوٹے پرچوں سے پنکو نے بڑی چالاکی کے ساتھ نقل کر کے پرچہ حل کیا۔ وہ چھوٹے پرچے دوبارہ موزوں میں چھپا کر نام ختم ہونے کے بعد پرچہ سر کو دے کر گھر آگیا۔

اسی طرح بہت مزے سے سارے پرچے دیتا رہا اور امتحان ختم ہو گئے۔

پنکو کو پورا یقین تھا کہ وہ لازمی اول پوزیشن حاصل کرے گا پھر وہ اپنی سالگرہ پر شہد لگا بلااموں کا کیک خوب مزے لے لے کر کھائے گا اور جنگل میں اپنی خوب صورت سی ٹرائی سائیکل لے کر گھومے گا تو اس کے سب دوست بہت متاثر ہو گئے۔

بالآخر طویل انتظار کے بعد نتیجے کا دن آگیا۔ پنکو خوب تیار ہو کر امی، ابو کے ساتھ رزلٹ لینے گیا، جب دوسری جماعت کا نتیجہ سنانے کی باری آئی تو پنکو کا ننھا سا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ پرنسپل سر ایلی (ہاتھی) نے پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے بچوں کے نام پکارے مگر یہ کیا ہوا؟

ان میں پنکو کا نام تو تھا ہی نہیں۔ اسے تو بہت رونا آیا۔ تھوڑی دیر تمام بچوں کو ان کی جماعت میں رزلٹ کارڈ دیئے گئے۔ جب پنکو کو رپورٹ کارڈ ملی تو اس میں بڑا لکھا تھا، ”فیل۔“

فیس بک اور وہاٹس ایپ کا استعمال کتنا مفید، کتنا مضر؟

مصنف: اسد احمد

عام طور پر کوئی بھی چیز فی نفسہ اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کی اچھائی یا برائی اس کے اچھے یا برے استعمال پر موقوف ہوا کرتی ہے۔ یہ ضابطہ جہاں دنیا کی عام چیزوں میں جاری اور عملاً نافذ ہے، وہیں فیس بک اور وہاٹس ایپ سمیت سوشل میڈیا کی دنیا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ اگر ان دونوں کا صحیح استعمال ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغ اسلام، اصلاح معاشرہ، صالح تفکر، حسن تدبیر، مشاورت، مراسلت، تاثیر و تاثر اور تعلیم افکار کا بہترین ذریعہ ہیں، جن سے پوری دنیا جڑی ہوئی ہے۔ اور سالوں بلکہ عرواں میں کیا جانا والا کام ان کے توسط سے گھنٹوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ایک کلک اور چند ساعتوں کی کھپت وہ گل کھلا سکتی ہے جس کا کل تک کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر ابھی ماضی قریب میں مصر میں پیدا شدہ انقلاب کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، جس کے پیچھے بنیادی طور پر مکمل کردار فیس بک کا تھا۔ فیس بک کے واسطے سے ہی ڈکٹیٹر شپ کے خاتمے کی فکر عام ہوئی، اسی سے ذہنوں میں تبدیلی کا سور پھونکا گیا، اسی کے ذریعہ تغیر پسند لوگوں کی ٹیم تشکیل پائی اور پھر اسی سے بڑی شیرازہ بندی کے ساتھ احتجاجی جماعتیں وہاں کے تحریر چوک میں جمع ہوئیں۔ جس کے عظیم اور انقلابی نتائج کس روپ میں ظاہر ہوئے؟ اسے پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مدتوں مطلق العنانی کا شکار رہی زمین مصر کی مکمل تاریخ کا یہ اٹھل پھٹل کیا فیس بک کا جادوئی کرشمہ نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر وہاں ایک آدمی نے اپنی بچی کا نام فیس بک رکھا۔



یہ مثبت پہلو تھا جبکہ اگر اسی واسطے کو غلط ڈگر پر ڈال دیا جائے تو تاریخ نے دیکھا ہے کہ اسی فیس بک نے ہزاروں گھر بھی اجاڑے ہیں، طلاقیں بھی کروائی ہیں اور جانیں بھی لی ہیں۔ ماؤرن انج کے میاں بیوی فرضی آنی ڈی سے ایک عرصے تک باہمی چیٹنگ کرتے رہے اور آخر ایک دن جب ملاقات کے لیے دونوں ہوٹل پہنچے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر

اور مدتوں جاری رہی فحش چیٹنگ کے اپنے ہی کرتوتوں کو یاد کر کے دنگ رہ گئے اور پھر اسی دم ای جی طلاق لے دے کر ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ کئی بار یہی صورت حال باپ اور بیٹی کے درمیان میں بھی پیدا ہوئی اور باپ جہاں اپنے کالے کرتوتوں پر پشیمان ہوا وہیں اپنی بیٹی کے کردار پر بھی انگشت بدنداں رہ گیا جبکہ بچی بھی باپ کی اس کارستانی پر پانی پانی ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

راقم السطور ابھی زیر نظر مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ فیس بک نے اسی کے ساتھ ایک بڑی چوٹ کر دی۔ ہوا یوں کہ ایک دوست نے فون پر اطلاع دی کہ ایف بی پر اپنا پروفائل نام پیک کیجیے کسی نے پاس ورڈ بیک کر کے ”خالد ایوب مصباحی“ کی جگہ ”خالد ایوب مصباحی ہندو“ کر دیا ہے۔ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ حیرانی کے ساتھ مزید پریشانی اس وقت ہوئی یہ جب ایڈٹنگ کے تعلق سے یہ قانون دیکھنے کو ملا کہ پروفائل نام میں ایک بار ترمیم کرنے کے بعد ساٹھ دن سے پہلے دوبارہ کوئی ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن۔ بالکل یہی خرافات کئی ایک دیگر دوستوں کے ساتھ بھی کی گئی تھی اور ہر ایک کے ساتھ بس یہی ہوا کہ نام کے آخر میں ”ہندو“ کا لفظ بڑھا دیا گیا تھا۔

فیس بک پر اس طرح کی ردیل حرکتوں کے نتیجے میں ملک کئی بار سنگین حالات کا شکار ہو چکا ہے لیکن شرارت پسند عناصر اپنی فطرت سے مجبور معلوم ہوتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں ہر دن کہیں نہ کہیں اس تعلق سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو ہی جاتا ہے اور ایک طبقے کی ناپاک ذہنیت یہی ہے کہ یہ سلسلہ جتنے نہ پائے۔

آئے دن پیدار کی شایوں کے نام پر ڈھونگ رچنا اور صرف دو مطلب پرست نو جوان مرد اور دو شیرہ کا اپنے پیدا کرنے والے ماں باپ سمیت پورے کنبے اور تمام تعلق داروں سے ہمیشہ کے لیے رشتے ناطے توڑ لینا، نئی دنیا کے لیے ایک دل چسپ مشغلہ سا بن چکا ہے۔ اور اس میں شاید کسی کو تامل نہ ہو کہ یہ پورا کھیل زیادہ تر فیس بک کی دین ہوتا ہے۔ پہلے فیس بک سے دوستیاں ہوتی ہیں، باہمی تصویروں کا تبادلہ ہوتا ہے، چیٹنگ ہوتی ہے اور پھر موبائل فون کے ذریعہ رابطہ ہوتا ہے۔ اسکول اور کالج کی آڑیاں ملنے ملانے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ بچوں کی غیر ضروری مصروفیات سے ماں باپ کی لا تعلق راستے کا ہر روڈا ختم کر دیتی ہے اور پھر شادی ہو یا نہ ہو وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

فیس بک اگرچہ کوئی بہت پرانی ایجاد نہیں لیکن اگر اس نو مولود ایجاد کی یہی چند سالہ مختصر سی تاریخ دیکھی جائے تو اس قسم کے سیکڑوں نہیں ہزاروں واقعات، حوادث اور کرشمے ملیں گے جبکہ لگ بھگ یہی صورت حال دیگر سوشل سائٹس کی ہے، فرق اتنا ہے کہ فیس بک اپنی نسبتاً قدامت

و عمومیت اور بے پناہ مقبولیت کی بنیاد پر زیادہ چیزوں میں رہا اور دوسری سائٹس کو وہ حیثیت نہ حاصل ہو سکی۔ جبکہ ادھر جب سے وہاٹس ایپ کی ایجاد ہوئی ہے، اس وقت سے فیس بک ہی کی طرح اسے بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور اس پذیرائی کا بنیادی سبب ہے اس سائٹ کی سہولت۔ لیکن اس کا عموم بھی لگ بھگ رفتہ رفتہ وہی تاریخ دوہرا رہا ہے جو فیس بک کا ریکارڈ رہی ہے۔ وقت کا ضیاع، پیسوں کی بربادی، نظریات کی جنگ اور برائیوں کی تعلیم، اس کے واضح نقصانات محسوس کیے جا رہے ہیں۔

اخلاق و کردار پر منفی اثرات مرتب کرنے کے علاوہ ان سوشل سائٹس کا جو دوسرا خطرناک پہلو ہے وہ ہے صحت اور معیشت پر غیر معمولی اثر اندازی۔ جس شخص کو ان چیزوں کی لت لگ جاتی ہے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ اگر وہ کوئی بالغ نظر، ذی شعور اور قوت فیصلہ کا حامل فرد نہیں تو پھر گھنٹوں گھنٹوں ان میں یوں کھپا دیتا ہے جیسے زندگی کا کوئی اہم ترین مشغلہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ ظاہر ہے اس سے جہاں وقت اور پیسوں کی بربادی ہے وہیں موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ کی اسکرین پر مسلسل نظریں جمائے رہنے سے قوت بصارت اور مسلسل ہاتھ کی انگلیاں چلانے سے ان پر جو گہرے ضرر رساں اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بھی کسی لعنت کے طوق سے کم نہیں۔ جبکہ اس قسم کی سائٹس کا عام استعمال کمپیوٹر کی بجائے موبائل سے ہوتا ہے اور موبائل کی چھوٹی اسکرین کمپیوٹر کی اسکرین سے کئی گنا زیادہ نقصان دہ ہے۔ پیسوں کی بربادی کے لیے اتنا کافی ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کمپنیوں نے ان چیزوں کی لت لگانے کے بعد نیٹ پیک کے دام جس تیزی سے بڑھائے ہیں وہ اس پورے طبقے کے لیے بے پناہ تشویش کا سبب بنا ہوا ہے اور اس تعلق سے کچھ آن لائن تو کچھ آف لائن احتجاجات بھی ہو چکے ہیں۔



خیر! یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ عام طور پر ہر چیز میں نفع و نقصان کے دونوں پہلو ہوا کرتے ہیں۔ سوشل سائٹس کے بھی یہی دونوں رخ ہیں جن کی ملکی سی جھلک ہم نے اوپر دیکھی۔ اب ہم یہاں ان سائٹس کے استعمال کے کچھ اصول و آداب ذکر کر رہے ہیں جن کی رعایت سے امید ہی نہیں کامل یقین

کی حد تک ضرر رساں پہلوؤں سے بچا سکتا ہے۔

سوشل سائنس کے استعمال کے اصول و آداب:- (۱) ضرورت بھر استعمال کریں: یعنی صرف ضروری گفتگو کے لیے یوز کریں۔ (۲) ضرورت پر استعمال کریں: یعنی فضول چیٹنگ، گپ شپ، مضحکہ خیز یوز اور چوں چڑا میں وقت ضائع نہ کریں کیوں کہ بہر حال یہ سب ضرورت کی چیزیں ہیں، دل چسپی کی نہیں اور وقت سے قیمتی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ ان کے استعمال کے لیے کوئی وقت مختص کر لیا جائے۔ (۳) ٹائم ٹو ٹائم یوز کریں: اپنی ٹائم اسی میں لکھا رہنا نہ دانش مندی ہے اور نہ ضروری۔ (۴) اہل خانہ کے لیے مخصوص اوقات ہرگز ان میں صرف نہ کریں، کیوں کہ یہ جہاں عقلا جائز نہیں ویسے ہی اس سے پہلے شرعاً ناجائز ہیں۔ (۵) اسی طرح عبادات یا دیگر متعینہ اوقات جیسے ڈیوٹی کے ٹائم وغیرہ ان میں ہرگز صرف نہ کریں۔ (۶) ضرورت تک استعمال کریں: فحش تصاویر شیئر تو بہر حال نہیں کرنا ہے لیکن بھول چوک سے بھی ان کو زوم کر کے تفصیل کے ساتھ دیکھنا بھی نہیں ہے کیوں کہ بارہا ندامت میں اس طرح کی تصویریں لاکھ ہو جاتی ہیں جو ہماری پروفائل دیکھنے والوں یا عقیدت کیشوں کے لیے تنفر اور بدگمانی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ (۷) بلا ضرورت کمینٹ کرنا، کسی کو چھیڑنا اور خواہ مخواہ کسی کا بچولیا بننا معقول نہیں۔ (۸) اگر کوئی معقول بات یا معقول تصویر ہو تبھی شیئر کریں، ورنہ خواہ مخواہ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے دنیا کے لیے درد سر بننا دانش مندی نہیں۔ (۹) معقول بات شیئر کرتے وقت بھی یہ دیکھ لینا چاہیے کہ آپ کی شیئر کی ہوئی بات کسی بھی طور پر کسی کے لیے دل آزاری کا سبب تو نہیں؟ (۱۰) پرسنل باتیں شیئر کرنا حماقت ہے جیسے: میں فلاں جگہ روانہ ہو رہا ہوں، فلاں جگہ پروگرام میں ہوں، فلاں سے مل رہا ہوں وغیرہ، کیوں کہ یہ سب پرسنل سائنس نہیں، سوشل یعنی قومی ہیں اور عام ہیں اور عام جگہ پر خاص گفتگو کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ وبا عام طور پر پائی جاتی ہے، اس کا علاج ہونا چاہیے۔ (۱۱) کسی بھی نظریے یا فکر سے اختلاف ہو تو بڑی سنجیدگی سے اس کا اظہار ہونا چاہیے کیوں کہ جس طرح ہمارے سامنے کوئی نہیں، اسی طرح پس دیوار کتنے ہیں، کیسے کیسے ہیں اور کون کون ہیں؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم، اس لیے احتیاط اور سنجیدگی کا دامن یہاں ہرگز نہ چھوٹے۔ فیس بک پر یہ لحاظ بھی بہت کم لوگ کر پاتے ہیں اور ہمیں سے بے وقوفی یا عقل مندی کا پہلا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ (۱۲) اگر ہو سکے تو خدمت خلق اور خوش نودی رب کے لیے استعمال کریں مثلاً: کسی کے تعاون کے لیے، کسی کی دینی، دنیوی، تعلیمی، سماجی، رفاہی، رہ نمائی کے لیے، کسی اہم اطلاع کے لیے، کسی سروس وغیرہ کے آخر کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ (۱۳) ممکن ہو تو عادت بنائیں کہ دینی باتوں کو معقول، مستحکم، قابل اطمینان اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں، پیش کش ایسی ہو کہ اولاً تو کسی

کو اعتراض ہی نہ ہو اور اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بڑی معقولیت اور سنجیدگی سے اس کا شافی حل پیش کریں اور انداز بہر حال کلیمانہ اور داعیانہ ہو۔

تلفیح دین کا یہ کام ان حقوق کی رعایت کے ساتھ ہر مسلمان کو بالعموم اور علما کو بالخصوص کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ شاید ایسے آسان اور دل پذیر ذرائع سے زیادہ موثر ذرائع تبلیغ اور نہ مل سکیں۔ اور اس قسم کے ذرائع سے متاثر ہو کر آدمی سائیکوجیکل طور پر جتنا جلدی اثر پذیر ہوتا ہے کبھی کبھار بالمشافہ افہام و تفہیم کے ذریعہ بھی اتنا متاثر نہیں ہوتا۔ یہ کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ بد باطن لوگ اپنے باطل نظریات کے فروغ کے لیے ان سوشل سائنس پر حشرات الارض کی طرح کبھرے پڑے ہیں، دل کش اور دل فریب ٹائٹلس کے ساتھ نت نئے گروپس، قسم قسم کے بلاگس، طرح طرح کی لنکس اور اب تو انڈروئڈ مارکیٹ نے سافٹ ویئرز کی ایجاد کو بھی اتنا سہل کر دیا ہے کہ ہر طرح کا مواد ویب سائنس اور گوگل وغیرہ کی مدد کے بغیر ڈائریکٹ سافٹ ویئرز کے روپ میں مل جاتا ہے۔ اس کا ایک بڑا نقصان جو ہوا ہے وہ یہ کہ عام آدمی کے لیے اس مارکیٹ سے کسی بھی سافٹ ویئر کو ڈاؤن لوڈ کرنے سے پہلے یہ امتیاز کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ کھرا کون سا ہے اور کھوٹا کون سا؟ ایسے میں سب سے بہتر تو یہی ہے کہ ہمارے لوگ بھی انڈروئڈ مارکیٹ کا پورا فائدہ اٹھائیں اور جماعت اہل سنت کے انڈروئڈ سافٹ ویئرز سے زیادہ اوپنبل ہوں۔ لیکن اگر علی الفوری نہیں کیا جا سکتا تو کم سے کم یہ ضرور ہونا چاہیے کہ وہاٹس ایپ گروپس، چھوٹے چھوٹے ویڈیوز کی گلیس، ایک ایک عقیدے اور مسئلے کی چھوٹی چھوٹی ایجز وغیرہ بکثرت ہوں جن کی تحصیل بھی آسان ہو اور ان سے استفادہ بھی سہل۔ کیوں کہ اب طول طویل باتیں سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کا زمانہ لد گیا۔ دنیا اب وہ پڑھنا چاہتی ہے جس میں محض ایک نظر سے کام ہو جائے، دوسری نظر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ محسوس ہو، جنھوں نے یہ سہولت دی ہے، وہ بڑھ رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو ان آسانیوں کے دور میں بھی زمانے کے دوش بدوش نہیں کیا وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اگر اس پسماندگی کا احساس نہ کیا گیا تو خدا نخواستہ وقت نکل جانے پر سوائے حسرت کے اور کوئی یاد نہیں ہوگا۔ اس لیے جو ان میدانوں کے آدمی ہیں انھیں ان میدانوں کو سنبھال لینا چاہیے اور پھر سنبھل کر بیٹھ جانا چاہیے۔

انہر میں بطور تشویق شاید اس بات کا ذکر بے جا نہ ہو کہ فقیر راقم السطور نے تقریباً سال بھر پہلے وہاٹس ایپ پر ”آن لائن مفتی“ نامی ایک گروپ بنایا تھا جس کا مقصد تھا عوام کو جوڑنا اور پھر ان کے دینی سوالات کے جوابات دینا۔ الحمد للہ اس گروپ کو اتنی مقبولیت ملی کہ کچھ بعد دیگرے ”آن لائن مفتی“ ایک، دو، تین کرتے کرتے چھ گروپ بنانے پڑے

جو تا دم تحریر اپنا کام کر رہے ہیں اور کامیاب ہیں۔ ان گروپس کی اتنی شہرت ہوئی کہ جہاں ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ ان سے وابستہ ہیں وہیں سعودی عرب، دبئی، کویت، امریکہ، افریکہ، فجی سمیت کئی ملکوں کے افراد استفادہ کر رہے ہیں۔ ان گروپس کا بنیادی مقصد عوام کی دینی کانڈنگ تھا اور جڑنے والا ہر ممبر اسی کا پابند لیکن رفتہ رفتہ یہاں وہ سب باتیں ہونے لگیں جو عام طور پر دارالافتاؤں میں ہوتی ہیں۔ روز مرہ کے مسائل، غیر مقلدوں کے بالمقابل احادیث، جدید مسائل، اوراد و وظائف اور دیگر معمولات و معاملات وغیرہ اب اسی سلسلے کو فقیر کے ہندی ماہ نامہ ”محاسن“ جے پور، میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تجربے کی روشنی میں یہ کہنا صد فیصد بجا ہے کہ عوام آج بھی پیاسی ہے اور مثلاً یہ ہے۔ اور اس ناحیہ سے راہ بروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جدید تقاضوں سے لیس ہو کر ساقی کا کردار ادا کریں۔

سر دست ان سائنس کے ذریعہ جو کام بڑی آسانی سے اور پوری مقبولیت کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں وہ اس قسم کے ہو سکتے ہیں جن کی زیادہ ضرورت ہے: عقائد اہل سنت کی وضاحت۔ عقائد اہل سنت کا اثبات۔ باطل اور حق پرست فرقوں کا تعارف۔ سیرت رسول ﷺ کی تعلیم۔ مسائل شرعیہ کی عقلی و نقلی تفہیم۔ جماعت اہل سنت کے علماء، مدارس، تحریکوں، خانقاہوں اور اداروں کا تعارف۔ اعلام اہل سنت کی سوانحیات۔ مسلمانوں کی سیاسی قیادت۔ معمولات اہل سنت کا دفاع وغیرہ وغیرہ۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ کریم ہمیں جذبہ تبلیغ، درد امت، احساس و شعور اور توفیق خیر عطا فرمائے۔



